خداشناسی عقل اور فطرت کی آواز

رئیس العلماء آیۃ اللہ سید کاظم نقوی، سابق ڈین آف تھیالوجی ڈپارٹمنٹ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۱) خداشناسی اورانسانی فطرت
(۲) وجودخدا کی بابت عقل عمومی کا فیصلہ
(۳) کیاخداپرستی کا سرچشمہ خوف ہے؟
(۴) کیاجنسی خواہش خداپرستی کا سبب ہے؟
(۵) مذہب کیااقتصادی ماحول کانتیجہ ہے؟
(۶) کیا خدا کا تصور نیچرل اسباب سے جہالت کی پیداوار ہے؟

وجودخدا کی پہلی دلیل

خداشناسی اورانسانی فطرت

علم الاجتماع کا فیصلہ ہے کہ خالق عالم کی حیثیت سے کسی ایک موجود یا بہت سے موجودات کی پرستش انسان قدیم ترین زمانوں سے کرتا چلا آیا ہے۔اس کی جڑیں وجودانسانی کی انتہائی گہرائیوں میں اتری ہوئی ہیں۔ اس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ گویا مذہبی رجحان اور بالآخر موجودات سے انسان کی عقیدت اس کی گھٹی میں ملی ہوئی ہے۔ انسان ان موجودات کو اپنے اوپر بلکہ پوری اس دنیا کے اوپر جس میں وہ زندگی بسر کرتا رہا ہے حاکم اور فرمان روا سمجھتا ہے۔انسان جب تک زندہ ہے اس کا یہ عقیدہ اس کے ساتھ زندہ اور برقرار ہے۔ خداپرستی کے میلان کی نوعیت ان باتوں سے بالکل جدا ہے جن کا انسان کی عادت سے تعلق ہے۔ان کی ہر معاشرے میں خاص شکل وصورت ہے۔ ہر خطۂ زمین میں ان کا رنگ الگ الگ ہے۔ یہ باتیں مستقل اور ثابت قدم نہیں ہیں۔ ان کی عمارت ایسے ستونوں پر کھڑی ہے جو ہمیشہ متزلزل اورلرزاں ہیں۔

عادت اور فطرت

ایسانہیں ہے کہ عادت اور فطرت کے درمیان امتیاز نہ پیدا کیا جاسکے۔ یہ نہ سمجھا جاسکے کہ کن امور کا سرچشمہ فطرت ہے اور کن امور کی پیدائش عادت کے شکم سے ہوئی ہے۔ معیار یہ ہے کہ ہر وہ خیال اور عمل جو جغرافیائی یا اقتصادی یا سیاسی اسباب کے ماتحت ہمارے سامنے آئے اسے عادت کی پیداوار سمجھا جائے گا۔اس کا سرچشمہ یہی اسباب قرار پائیں گے۔اس کا تعلق انسان کی فطرت سے نہیں ہوگا۔

مثلاً وہ قومیں کہ جو قطب شمالی یا قطب جنوبی کے قرب و جوار میں رہتی ہیں وہ جغرافیائی حالات کی بناء پر مجبور ہیں کہ موٹے اونی کپڑے پہنیں۔اس کے برخلاف جو لوگ خط استوا کے نزدیک زندگی بسر کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے جغرافیائی حالات کی وجہ سے مہین اور باریک کپڑے پہننے پڑتے ہیں۔ ان میں سے کسی فعل کا سرچشمہ فطرت نہیں ہے۔مختلف قوموں کا یہ مختلف عمل صرف اس ماحول کا نتیجہ ہے جس میں وہ زندگی بسر کررہے ہیں۔

اسی طرح لباس کی شکل وصورت، اس کا رنگ، اس کی وضع

وقطع قوموں کے رسم و رواج اور فیشن سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی کوئی فطری بنیاد نہیں ہے۔ اگر پوشاک کی شکل وصورت اور وضع و قطع کا ربط انسانی فطرت سے ہوتا تو اسے ہر جگہ یکساں ہونا چاہیے تھا۔ ملکوں اور قوموں کے لحاظ سے ان میں فرق نہ ہوتا۔

اس کے برخلاف ہر وہ خیال اور عمل جس کی بنیاد انسانی فطرت ہو، جس میں جغرافیائی اقتصادی اور سیاسی اسباب کا دخل نہ ہو وہ ہمیشہ مستقل اور ثابت قدم رہتا ہے۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ ملکوں اور قوموں کے اختلاف سے اس میں اختلاف نہیں پیدا ہوتا۔

شہد کی مکھی کی تمام کارگزاریوں، پھولوں کا رس چوسنا، اپنے چھتے میں مسدس خانے بنانا، انڈے دینا، اپنے بچوں کی پرورش کرنا، یہ اور ان کے علاوہ اس کے تمام دوسرے کام فطری ہیں، کیوں کہ ان کا اُن اسباب سے کوئی لگاؤ نہیں ہے جنھیں سابق میں بیان کیا گیا۔ اس کی یہ کارگزاریاں عمومی اور عالمی ہیں۔ شہد کی مکھی کہیں ہو ہمیشہ اس کے یہی کام ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کارگزاریاں اس کی ذات کا خاصہ ہیں۔ یہی حال تمام جانداروں کے کاموں کا ہے۔

قرآن مجید شہد کی مکھی کی ان کارگزاریوں کو خداوند عالم کی مخصوص وحی اور تکوینی ہدایت کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِ شُونَ ثُمَّ کُلِی مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰاتِ۔ (سورہ نحل آیت ۶۸)

''خدا نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ وہ پہاڑوں، درختوں اور لوگوں کے بنائے ہوئے اونچے اونچے مقامات پر اپنے لئے چھتے بنائے۔ اس کے بعد ہر قسم کے پھلوں اور پھولوں کے رس چوسے''۔

جانوروں کی طرح انسان کے اندر بھی کچھ فطری میلانات موجود ہیں، جو کسی بیرونی سبب کے پیدا کیے ہوئے نہیں ہیں۔ ان میں عمومیت اور آفاقیت ہے، مثلاً تمام لوگ اپنی عمر کے مخصوص حصوں میں جنسی مسائل سے دلچسپی محسوس کرتے ہیں۔ وہ حسن و جمال، مال و دولت، جاہ ومنصب، محبوبیت اور ہر دلعزیزی، اولاد، معاشرتی عدالت چاہتے اور ظلم وتعدی فقر و تن دستی، اجتماعی بے انصافی سے نفرت کرتے ہیں۔ ایسا غیر شعوری طور پر ہوا کرتا ہے۔

شاید مہذب اور متمدن لوگوں سے زیادہ امانت وشرافت کی اہمیت وحشی قبائل کی نظر میں ہو جن کی زندگی بالکل سادہ ہے۔ اس میں کسی قسم کی بناوٹ موجود نہیں ہے۔ وہ جو وعدہ کر لیتے ہیں اس کو محترم اور مقدس سمجھتے ہیں۔ عام طور سے لوگ جو کام خیانت اور بددیانتی کی بناء پر کیا کرتے ہیں، وہ ان میں نظر نہیں آتے ہیں۔ دوطرح کے خیالات اور افعال کی جو مثالیں پیش کی گئیں انھیں پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجۂ ذیل نشانیوں کے ذریعہ فطری اور غیر فطری امور کے درمیان امتیاز پیدا کیا جاسکتا ہے۔

الف: ہر وہ خیال اور کام جس کا تعلق فطرت سے ہو وہ عمومی اور ہمہ گیر ہوگا۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص اس کا مالک نہ ہو۔

ب: فطری امور صرف فطرت کی راہنمائی سے انجام پاتے ہیں۔ انھیں سیکھنے اور سکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ج: ہر وہ خیال اور عمل جس کا سرچشمہ فطرت ہو وہ جغرافیائی، اقتصادی اور سیاسی اسباب کے اقتدار حکومت کے حدود سے باہر ہوگا۔

د: مسلسل پروپیگنڈا جب فطری امور کے خلاف ہوتا رہے تو یہ ممکن ہے کہ ان کے پھلنے پھولنے کی رفتار سست ہو جائے لیکن وہ ان کی بالکل بیخ کنی نہیں کر سکتے۔

ان کے برعکس جن باتوں کا عادت سے تعلق ہے ان میں مذکورہ خصوصیتوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آتی بلکہ ان کے برعکس دکھائی دیتا ہے۔

اب اس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ مذہب اور خدا پرستی

کے احساس میں یہ چاروں خصوصیات پائے جاتے ہیں یا نہیں؟

مختصر توجہ کے بعد ہمیں معلوم ہوگا کہ دینداری اور خدا پرستی ان چاروں خصوصیتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

(۱) خدا پرستی کا احساس عالمی ہے

خدا شناسی، خدا پرستی بلکہ غیر مادی امور سے لگاؤ زمان و مکان کے حدود سے بالاتر ہے۔ قدیم تاریخ گواہی دیتی ہے کہ تمام اقوام وملل خواہ مہذب ومتمدن ہوں اور خواہ غیر مہذب غیر متمدن سب کے سب خدا کا عقیدہ رکھتے اور یہ مانتے رہے ہیں کہ اس عالم کا کوئی خالق ضرور ہے۔ آثار قدیمہ کی کھوج کرنے کے سلسلے میں گذشتہ قوموں کے سوچنے کا طرز اور رہنے سہنے کا ڈھنگ، ان کے تہذیب وتمدن کا درجہ معلوم کرنے کے لئے جو کھدائیاں کی گئی ہیں ان میں بڑے بڑے اونچے ٹیلوں کے نیچے بتکدے نکلے ہیں۔ عبادت گاہیں نظر آئی ہیں۔ ان آثار سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم ترین قومیں ان مقامات کے اوپر بتوں کو معبود مان کر انہیں پوجا کرتی تھیں یا انہیں اپنے معبودوں کے حسین و جمیل اوصاف کا مظہر سمجھتی تھیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خدا کے وجود کا اعتقاد انسان کے ساتھ ساتھ پیدا ہوا ہے۔ شاید انسان اور حیوان کے درمیان امتیاز کا نشان اعتقاد ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کتاب انسانیت کا کوئی باب ایسا نہیں ملتا ہے جس میں انسان کا میلان غیر مادی امور کی طرف نہ ہو۔ تمام غیر اقوام وملل کے درمیان دینداری اور خدا پرستی بشریت کا لازمہ نظر آتی ہے۔ بلا استثناء کسی قوم کا تمدن مذہب کی کسی نہ کسی شکل سے خالی نہیں ہے۔ مذہب کی جڑیں تاریخ کی ان تاریک گہرائیوں میں اتری ہوئی ہیں جن تک ابھی انسان کی نگاہ نہیں پہنچی ہے۔

آج بھی متمدن قوموں کے درمیان مذہبی احساس ایک فطری احساس کے رنگ میں نظر آتا ہے۔ وہ دنیا کے ہر گوشے میں دکھائی دے رہا ہے۔ آج بھی کرۂ زمین کے بہت بڑے حصے پر شاندار مسجدیں، گرجے، گردوارے اور مندر پھیلے ہوئے ہیں۔ آج بھی اللہ اکبر کی آواز مختلف اوقات میں مسجدوں کے گلدستوں سے، صدائے ناقوس کلیسا کی فضاؤں سے کانوں میں آرہی ہے۔ اگر آج دنیا کے مختلف حصوں کے اوپر سے ہم تیز ترین ہوائی جہاز کے ذریعہ پرواز کریں تو اس احساس مذہبی کے جلوے ہر جگہ ہمیں نظر آئیں گے۔ دنیا کی انتہائی متمدن سر زمینوں پر بھی اور انتہائی تنگدست، پس ماندہ قوموں کے درمیان بھی۔

کیا ایسا عمومی ہمہ گیر گہرا احساس مذہبی تمام ادوار انسانیت میں دنیا کی تمام قوموں کے درمیان خواہ وہ فقیر ہوں اور خواہ مالدار نمایاں طور سے پایا جانا اس کے فطری ہونے کی دلیل نہیں ہے؟

اس سے قطع نظر کرتے ہوئے جب ہر انصاف پسند شخص اپنے دماغ کو خدا پرستوں اور مادہ پرستوں کی باتوں سے خالی کرے تو وہ خود مصائب و آلام کے موقع پر، مجبوریوں اور مایوسیوں کے اوقات میں محسوس کرے گا کہ اس کا دل کسی ابدی اور ازلی طاقت کی طرف غیر شعوری طور سے کھنچ رہا ہے۔ اسے یقین ہے کہ وہ اس کی دشواریوں کو دور کرسکتا ہے۔ انسان بے اختیار ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوجاتا اور اس سے امداد چاہتا ہے۔

یہ غیر اختیاری خداشناسی عقل اور عملی دلائل و براہین کا نتیجہ نہیں ہے۔ اس کا سرچشمہ توحید کے فلسفی ادلہ نہیں ہیں۔ یہ معرفت خدا غور وخوض کی پیداوار نہیں ہے۔ وہ صرف انسانی فطرت کے بطن سے پیدا ہوئی ہے۔ اسے دست قدرت نے انسان کی گھٹی میں ملا دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم مجبوری اور مایوسی کے اوقات میں اپنے تمام ذرات وجود کے ساتھ خود بخود خدا کی طرف کھنچ جاتے ہیں۔ ہمیں پتہ بھی نہیں ہے کہ ہمارا ایک گمشدہ ہے۔ ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ بیچارگی اور مجبوری کے عالم میں

کس طرح ہمارے بے چین دل کو صبر وقرار عطا کرتا ہے، لیکن بغیر کچھ سمجھے اور جانے ہوئے ہمارا دل اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح بچہ یہ جانے بغیر کہ ماں کسے کہتے ہیں ماں کو تلاش کرتا اسی طرح انسان یہ غور کئے بغیر کہ موجودات عالم کا ایک خالق عقلاً ضرور ہونا چاہیے اس سے امداد کا طالب ہوتا ہے۔

(۲) خود فطرت راہنما ہے

انسان کے تمام باطنی احساسات کی طرح کسی بیرونی تعلیم اور راہنمائی کے بغیر خدا کی تلاش کا جذبہ خود بخود انسان میں پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح لوگ اپنی عمر کے مخصوص حصے میں مال و دولت، جاہ ومنصب، عزت واحترام اور حسن و جمال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان امور کی جانب خود بخود توجہ ہوتی ہے۔ نہ کوئی شخص تعلیم دیتا اور نہ کوئی راہنمائی کرتا ہے۔ اسی طرح خدا کی جستجو کا جذبہ انسان میں از خود نمایاں ہوتا ہے۔

خدا اور مذہب کی طرف بغیر تعلیم اور راہنمائی کے قلب انسانی کا متوجہ ہو جانا اس کی دلیل ہے کہ تلاش خدا کا جذبہ فطری ہے۔ یہ احساس اس کے دوسرے باطنی احساس کے مانند دفعتاً مخصوص حالات اور شرائط کے ساتھ نمایاں ہوتا ہے، لیکن یہ نکتہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ اس احساس کی صحیح طور سے دیکھ بھال نہ کی جائے تو بہت سے نامعقول انحرافات پیدا ہو سکتے ہیں۔

اگر یہ مذہبی احساس انبیاء و مرسلین، علماء و فلاسفہ کی نگرانی میں پھولے پھلے تو اس میں کبھی کسی قسم کا انحراف نہیں پیدا ہوتا ہے، لیکن اگر وہ ان کی نگرانی سے محروم رہے تو انسان کو بت پرست بنا دیتا، اس کے سر کو مخلوقات کے سامنے جھکا دیتا ہے، انسان مخلوق کو خالق کی جگہ پوجنے لگتا ہے۔

ہم نے یہ جو کہا کہ فطری اور طبیعی احساس کو کسی معلم کی راہنمائی اور تعلیم کی ضرورت نہیں ہے تو اس کا مقصود صرف یہ ہے کہ وہ خود پیدا ہوتے ہیں۔ کسی معلم اور راہنما کے پیدا کئے ہوئے نہیں ہیں، لیکن ان احساسات سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانا، ہر طرح کی کجروی سے بچاتے ہوئے انھیں علمی جامہ پہنانا بغیر بابصیرت مربیوں کے ممکن نہیں ہے۔

حقیقتاً تمام زمینی اور آسمانی موجودات کی پرستش کا سرچشمہ یہی فطری اور دینی احساس ہے مگر ایسا احساس مذہبی جو کسی مادی سبب کی پیداوار نہیں ہے۔

یہ جو ہمیں نظر آتا ہے کہ احساس دینی کرۂ زمین کے تمام حصوں میں موجود ہے اور کوئی زمانہ اس سے خالی نہیں رہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فطرت کی آواز ہے۔ اس کا محرک فطرت کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ دینی احساس جغرافیائی حالات یا کسی دوسرے سبب کا اگر نتیجہ ہوتا تو اس کا لازمہ یہ تھا کہ اسے بس اسی زمین میں اور اسی طرح کے لوگوں کے درمیان پایا جانا چاہیے تھا جن کے اقتصادی، سیاسی اور جغرافیائی حالات یکساں تھے، حالانکہ ہمیں بالکل اس کے برعکس دکھائی دیتا ہے۔ اس نکتہ کی طرف بھی متوجہ رہنا ضروری ہے کہ کسی احساس کے فطری ہونے کا یہ نتیجہ نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ جلوہ گر رہے۔ ہر قسم کے ماحول میں افراد انسانی اس کی جانب متوجہ رہیں۔ ایسا ممکن ہے کہ مال و دولت، عزت ومنصب، شہرت و محبوبیت اور زندگی کی مسرت بھری سرگرمیاں اس کی نگاہوں کو بہت سے اخلاقی فضائل اور فطری امور کی طرف سے موڑ دیں۔ فطری امور صرف خدا کے جذبۂ تلاش میں محدود نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ بھی انسان بہت سے ذاتی اور طبیعی میلانات رکھتا ہے۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ کسی خاص فطری تقاضے کی طرف انسان کا پورے طور سے متوجہ ہو جانا دوسرے فطری امور سے وقتی طور پر اسے روگرداں بنا دیتا ہے۔

آپ ملاحظہ فرمائیے کہ کائنات عالم کے اسرار و رموز کی کھوج ان باتوں میں سے ہے جو انسان کی فطرت میں راسخ ہیں۔ ہر شخص گوناگوں چیزوں کے متعلق علمی تحقیق کو پسند کرتا ہے لیکن یہ مسلم ہے کہ یہ باطنی شعور ہر جگہ ہر ماحول میں پروان نہیں

چڑھ سکتا۔ اس کی کارفرمائی تمام حالات میں یکساں نہیں ہے۔ یہ جذبۂ تحقیق علمی ماحول، سازگار حالات، مناسب مرکز اور ہم خیال دوستوں کے درمیان خوب پھلتا پھولتا ہے، لیکن ناسازگار فضا میں اس طرح آنکھیں موند کر سو جاتا ہے، کہ اگر ایسی ہی فضا طویل عرصہ تک باقی رہے تو خود اس جذبہ کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔

یونہی کون انکار کرسکتا ہے کہ شادی بیاہ سے انسان کا تعلق خاطر، جاہ و منصب کے حاصل کرنے سے اس کی محبت فطری اور طبیعی ہے، لیکن ان احساسات میں یہ کس بل نہیں ہے کہ سازگار اور ناسازگار تمام حالات میں وہ جلوہ آرا رہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی ایک فطری جذبہ خوب سیراب ہوتا رہتا تو انسان مگن رہتا اور بقیہ فطری تشنگیوں کو بھول جاتا ہے۔

تلاش خدا کا احساس دوسرے احساسات سے نرالا نہیں ہے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ مادہ پرستی، مادی سرگرمیوں اور دنیوی لذتوں میں غیر معمولی انہماک انسان کو بہت سے ایسے امور سے غافل بنا دے جن کا اس کی فطرت سے لگاؤ ہے۔ انسان کبھی ایسا بھوکا، ایسا پیاسا اور جنسی خواہشوں میں ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ اسے خود اپنی خبر نہیں ہوتی۔ یہ خود فراموشی کی کیفیت رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ اسباب برطرف ہوں جنہوں نے اس کی فطرت کے اوپر پردۂ فراموشی ڈال دیا تھا۔ جب غفلت کے پردے ہٹتے ہیں تو انسان اپنے آپے میں آتا ہے اور اس کی فطرت کا چہرہ پھر دمکنے لگتا ہے۔

خدا کی ذات کی طرف توجہ اور اصول اخلاق پر عمل کرنے کا تعلق معنوی امور سے ہے۔ اس کا نقطۂ مقابل ہے انسان کا نفسانی میلانات میں غرق ہوجانا۔ ظاہر ہے کہ اگر نفسانی میلانات کا پلہ اتنا بھاری ہو کہ انسان کی روح کے تمام اطراف و جوانب پر چھا جائے تو پھر دوسرے معنوی میلانات کے بارآور ہونے کا موقع نہیں ہے۔

مصائب و آلام اس لحاظ سے عظیم نعمت ہیں کہ وہ غفلت زدہ انسان کو جھنجھوڑ کر مادیت کی گہری نیند سے چونکا دیتے ہیں۔ وہ صفحۂ دل سے ہر قسم کے زنگ کو دور کردیتے ہیں۔ وہ فطرت کو جلوہ گری کا موقع دے دیتے۔ انسان کے دل و دماغ کو مادیت کی اندھیری فضاؤں سے نکال کر خدا کی طرف متوجہ کردیتے ہیں۔ اسی لیے غفلت زدہ انسان، مصائب و آلام اور سختیوں کے مواقع پر خلوص کے ساتھ خدا کو یاد کرنے لگتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ بعض لوگ صرف مصائب و شدائد میں مبتلا ہونے کے موقع پر خدا کو یاد کرتے ہیں، لیکن ان کے مقابلے میں ایسے پارسا اشخاص بھی ہیں جن کے احساس مذہبی کے ظاہر ہونے کا کوئی وقت معین نہیں ہے۔ گویا ان کے قلوب کی مہین رگیں عالم ابدیت سے بندھی ہوئی ہیں، جن لوگوں کے مذہبی احساسات گوناگوں اسباب کی بنا پر کمزور ہو چکے ہیں اس مطلب کا ان کے ذہن نشین ہونا مشکل ہے۔

وہ شخص کہ جو خدا سے غافل ہے اور مادی لذتوں میں غوطے لگا رہا ہے اس کھلاڑی لڑکے کے مانند ہے کہ جو ہمہ تن کھیل کود میں مشغول ہے۔ وہ اپنے ان شفیق و مہربان ماں باپ کی طرف سے بے اعتنائی برتتا ہے جو حقیقتاً اس کے وجود کے گوشے گوشے میں موجود ہیں، لیکن جونہی وہ کسی سختی سے دوچار ہوتا فوراً انہیں یاد کرتا اور ان سے امداد چاہتا ہے۔

انسان جب اطمینان و سکون سے زندگی بسر کرنے لگتا ہے تو اس کی دنیوی سرگرمیاں اسے عالم ابدی کی طرف متوجہ ہونے سے باز رکھتی ہیں، لیکن جونہی وہ کسی ایسے حادثے سے دوچار ہوتا ہے جو اس کی زندگی کو درہم و برہم کردینے کی طاقت رکھتا ہے، جس کے مقابلے میں وہ اپنے کو عاجز اور ناتواں پاتا ہے، تو اس موقع پر فوراً اس کی روح میں، اس کے دل و دماغ میں ردعمل کی ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے وہ ایک برتر عالم، ایک عظیم طاقت کی تلاش میں منہمک ہوجاتا ہے۔ جب مصائب و آلام ہر طرف سے ہجوم کرتے ہیں، جب سمندر میں طوفان آتا ہے، جب ہوائی جہاز کے گرنے کا اندیشہ ہوتا ہے، جب صحت

اور تندرستی سے انسان بالکل مایوس ہوجاتا ہے تو ایسے اوقات میں تمام لوگ خواہ خدا کے وجود کے قائل ہوں اور خواہ نہ مانتے ہوں اس کو یک زبان ہوکر یاد کرنے لگتے ہیں، اس سے امداد و اعانت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ گویا مصائب و شدائد ایسا سوہان ہیں جو دلوں کے زنگ کو دور کرتے ہیں۔ ایسے مواقع پر جب درد دکھ قلوب کو اچھی طرح صیقل دے دیتا ہے تو ان میں یاد خدا کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے۔

(۴) پروپیگنڈا اسے نہیں مٹا سکتا

دنیا کے اقوام وملل کے درمیان ایسے لوگ مل سکتے ہیں، جنھوں نے بڑی بڑی پر مشقت ریاضتیں کرکے کسی فطری تقاضے کو پھلنے پھولنے سے روک دیا ہے، مثلاً ہر شخص میں جنسی میلانات ایک باطنی اور فطری پکار کی حیثیت رکھتی ہیں، لیکن عیسائی تارک الدنیا اور ہمارے ہندوستان کے جوگی بڑی بڑی سختیاں جھیلنے کے بعد اس جنسی میلان کو اتنا کمزور بنا دیتے ہیں کہ وہ بہت کم جنسی مسائل کے متعلق سوچتے ہیں، لیکن انھی اشخاص کا سابقہ اگر دوسرے قسم کے ماحول سے ہو تو جنسی احساسات ان میں دوبارہ ابھر آئیں گے۔

کسی بات کے فطری ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام حالات میں وہ نمایاں رہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ فطرت کی ہلکی اور دھیمی آوازیں اسی وقت محسوس ہوتی ہیں جب کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

بے شک ہمارا دعویٰ ہے کہ مذہبی احساس اور تلاش خدا کا جذبہ فطری اور باطنی ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسے کوئی چیز کمزور یا طاقتور نہیں بنا سکتی، مثلاً اس کے خلاف جتنا چاہے پروپیگنڈا ہوتا رہے، لیکن وہ اپنی شدت اور طاقت پر باقی رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسرے احساسات کی طرح اس احساس کا نمایاں ہونا بھی سازگار ماحول چاہتا ہے۔

یقینا بہت سی اندرونی اور فطری آوازوں کو مخالف پروپیگنڈا ہلکا اور مدھم بنا دیتا ہے، لیکن وہ انھیں سرے سے نیست ونابود نہیں کرسکتا۔ آج جب کہ ایک تہائی حصہ پر کمیونزم کے افکار وخیالات حکومت کررہے ہیں، مادہ پرست لیڈر پوری کوشش کررہے ہیں کہ جو قومیں اشترا کی سامراج کے شکنجہ میں گرفتار ہوگئی ہیں، ان کے دلوں سے مذہبی احساسات کو بالکل کھرچ کر مٹا دیں، لیکن وہ اب تک اپنی کوششوں میں بہت کم کامیاب ہوئے ہیں۔ ابھی تک لوگوں کے دلوں کو خدا کے تصور سے خالی نہیں کیا جاسکا ہے۔

آج ۵۴ برس کے قریب گزررہے ہیں کہ روس میں تخت حکومت کمیونزم کے قدموں کے نیچے ہے، لیکن اس کے باوجود اب بھی وہاں کے بہت سے لوگوں کے قلوب میں احساس دینی، مذہب، دوستی اور روحانیت کی طرف توجہ پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب وہاں کے ارباب بست وکشاد نے مجبور ہوکر مسلمان اور عیسائیوں کو کچھ نہ کچھ آزادی دے دی ہے کہ وہ مخصوص شرائط کے ساتھ اپنے مذہبی مراسم کو ادا کرسکتے ہیں۔

دل یا دماغ؟

کبھی عقل کسی بات کی بابت بڑی آسانی سے فیصلہ کرتی ہے۔ اسے اس بارے میں کوئی زحمت اور تکلیف نہیں برداشت کرنا پڑتی ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہوتا ہے کہ کوئی چیز خود بخود انسان کے لئے واضح اور آشکار ہوتی ہے، وہی اس کے فیصلہ کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے، مثلاً ہم یقینی طور پر کہتے ہیں کہ چار کا عدد جفت ہے، لیکن اس فیصلے کی کنجی یہ ہے کہ وہ دو برابر کے حصوں پر تقسیم ہوجاتا ہے۔ یہ بات خود بخود ہر انسان کے دماغ میں موجود ہے۔ عقل انسانی کے اس طرح کے فیصلوں کو ''فطریات'' کہا جاتا ہے۔

آیا عقیدۂ خدا کے فطری ہونے سے یہی مراد ہے یا کچھ اور؟ میں سمجھتا ہوں اس سے مقصود عقل کی فطرت نہیں، دل کی فطرت ہے۔ انسان کی روحانی ساخت کچھ اس طرح کی ہے کہ وہ

خدا خواہ پیدا کیا گیا ہے۔
یوں کہا جاسکتا ہے کہ جستجوئے خدا کا جذبہ ایک طرح کی روحانی کشش ہے۔ ایک طرف انسان کا دل ہے اور دوسری طرف ذات خدا ہے جو سرچشمۂ وجود اور خالص کمال ہے۔ جس طرح سورج کی طرف تمام سیارات کھنچتے ہیں، جس طرح مقناطیس کی جانب لوہا کھنچتا ہے، اسی طرح خالق کائنات لوگوں کے دلوں کو کھینچتا ہے۔ گویا انسان کے وجود کے اندر اس ''میں'' کے علاوہ ایک دوسرا ''مین'' بھی ہے جو پوشیدہ اور پر اسرار ہے۔
اس بیسویں صدی میں علم النفس کے ماہرین اس حقیقت تک پہنچ گئے ہیں کہ انسان دو قسم کے شعور کا مالک ہے۔ ایک ظاہری شعور اور دوسرا باطنی شعور، گویا اس نمایاں اور آشکارا شخصیت کے علاوہ انسان کی ایک دوسری شخصیت بھی ہے جو پردے کے پیچھے ہے۔ بعض ماہرین علم النفس کا خیال ہے کہ اس پوشیدہ شخصیت کے تمام عناصر ظاہری شعور سے بھاگ کر باطنی شعور میں پہنچ گئے ہیں، انہوں نے بھیس بدل لیا ہے، لیکن ان کے برخلاف بعض باطنی شعور اور باطنی شخصیت کے علیٰحدہ مستقل وجود کے قائل ہیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ اخلاقی شعور، علمی شعور اور مذہبی شعور کا انسان کی روح سے تعلق ہے۔ ان کا سرچشمہ اس کی فطرت ہے۔
یہی وہ نقطہ ہے کہ جہاں سے اولیاء کا راستہ فلاسفہ کے راستے سے الگ ہوجاتا ہے۔ اولیاء خدا پر ایمان اور اس کے وجود کے عقیدے کو انسان کے فطری عشق اور میلان کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اسی لئے وہ اس طاقت کے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایسی رکاوٹوں کو دور کردینا چاہیے جو اسے پھلنے پھولنے اور پروان چڑھنے نہیں دیتیں۔ انسان کا فرض ہے کہ اپنے دل کو صاف کرے۔ پھر عشق الٰہی کے تیز رفتار اور طاقتور گھوڑے پر سوار ہوکر اس کی بارگاہ میں باریاب ہوجائے۔ لیکن اولیاء کے راستے کے برخلاف فلاسفہ اور عقائد و مذاہب کے ماہرین جنہیں ''متکلمین'' کہا جاتا ہے غور وخوض اور استدلال کے ذریعہ چاہتے ہیں کہ اپنے مقصود و مطلوب تک پہنچیں۔ اولیاء چاہتے ہیں کہ ان کی روح پرواز کرکے خدا کی بارگاہ سے نزدیک ہوجائے اور فلاسفہ چاہتے ہیں کہ غور وخوض کرکے دلیلوں کے سہارے ان کا دماغ وجود خدا کے سلسلے میں کوئی مثبت یا منفی فیصلہ کردے۔ اسلام میں عبادات کا مقصد اسی باطنی عشق اور میلان کو پروان چڑھانا ہے یا کم از کم ان کے بہت سے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے۔
اس زمانے کے بہت سے جدید علوم کے ماہرین اس بات کے قائل ہیں کہ روح انسانی کی گہرائیوں میں اس طرح کی کیفیت موجود ہے جسے عشق الٰہی کہا جاسکتا ہے جو اس کا خدائے ازلی سے رابطہ قائم کرسکتی ہے۔
اگر ہم یہ جاننا چاہتے ہوں کہ آیا اس طرح کی قوت وجود انسانی میں موجود ہے یا نہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ہم خود تجربہ کریں، خواہ اپنے اوپر اور خواہ اپنے جیسے دوسرے آدمیوں پر۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ ایسے صاحبان ذوق جنھوں نے سالہا سال انسان کے روحانی مسائل کے بارے میں ریسرچ کی ہے وہ اس مسئلے کی بابت کیا کہتے ہیں؟
اگلے زمانے کے محققین کا خیال تھا کہ صرف انسان نہیں بلکہ تمام موجودات کے اندر اس قسم کا عشق الٰہی موجود ہے۔ آج کل کے جدید علوم کے ماہرین بھی ان کے ہم خیال ہیں۔ ان کے نفسیاتی تجربات نے ان کو اسی نتیجہ تک پہونچایا ہے۔ ان ہی میں سے ایک مشہور شخصیت ڈاکٹر الکیس کیرل (Alexis Carol) کی ہے۔ انہوں نے دعا کی بابت لکھا ہے:
''دعا خدا کی طرف روح کی اڑان کا نام ہے۔''
خیر اس جملے سے واضح طور پر کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے۔ مندرجۂ ذیل الفاظ بھی انہی کے ہیں:۔

''انسان جیسا ہے وہ اپنے کو دیکھتا ہے۔ وہ اس کی خود غرضی، لالچ، غرور اور نخوت و انانیت کے اوپر سے پردہ ہٹا دیتا ہے۔ وہ اخلاقی ذمہ داریوں کے پورا کرنے کے لئے سدھ جاتا ہے۔ وہ ذہنی خاکساری حاصل کرنے کے لئے قدم اٹھاتا ہے۔ اسی وقت خدا کی مغفرت کی جاہ وجلال سے بھر پور سلطنت آدمی کی آنکھوں کے سامنے نمودار ہوجاتی ہے۔''

(کتاب دین وروان)

ولیم جیمس بھی مذکورۂ بالا جدید علوم کے ماہرین میں سے ہیں، وہ کہتے ہیں:۔

''ہمارے رجحانات و میلانات اور بعض محرکات اس نیچرل دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیا ہماری زیادہ تر آرزوؤں اور تمناؤں کا سرچشمہ نیچر کے اس طرف کا عالم ہے، کیونکہ وہ مادی پہلوؤں کے مطابق معلوم نہیں ہوتی ہیں۔'' (رسالۂ نیایش)

انہیں کا پھر قول ہے:

''میں پورے طور پر اس بات کو مانتا ہوں کہ مذہبی زندگی کا سرچشمہ دل ہے اور یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ فلسفیانہ فارمولے اور دستور العمل ترجمہ کئے ہوئے مضامین اور مطالب کے مانند ہیں جو دراصل کسی دوسری زبان میں ہوں۔''

نیز انہیں کا خیال ہے:۔

''عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ لوگوں نے اپنے ایمان کی عمارت کو فلسفیانہ ستونوں پر بلند کیا ہے، حالانکہ اس کی بنیاد دماغ پر نہیں، دل پر ہے۔ وجود خدا کی گواہی دل دیتا ہے نہ کہ عقل۔ ایمان اسی راستے سے ہاتھ آتا ہے۔ دل کے پاس ایسی ایسی دلیلیں ہیں جہاں تک عقل نہیں پہنچ سکتی۔''

(دین وروان)

پاسکل PASCAL کا نظریہ ہے:۔

''وجود خدا کی گواہی دل دیتا ہے نہ کہ عقل۔ ایمان اسی راستہ سے ہاتھ آتا ہے''۔

ایک دوسری جگہ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

''دل کے پاس ایسی ایسی دلیلیں ہیں جن تک عقل کی پہنچ نہیں ہے''۔

برگسان BERGSON کے نزدیک بھی مذہب کی دو قسمیں ہیں۔ اسی طرح اخلاق کی بھی۔ ان میں سے ہر ایک قسم کے لئے اس کا مخصوص سرچشمہ ہے۔ بلند اور پست۔ پست سرچشمہ اچھا سماج اور بلند سرچشمہ وہ فیض ہے جس کا مرکز عالم بالا ہے۔ جس مذہب کا سرچشمہ عالم بالا ہے اس کی بابت برگسان نے مندرجۂ ذیل عبارت لکھی ہے:۔

''وہ علم و اطلاع کا وہی سرچشمہ ہے جس نے جانوروں میں سرشت اور انسان میں عقل قرار دی ہے۔ اسی نے انسان میں کشف و اشراق کی قوت ودیعت کی ہے جو عام حالات میں کمزور اور مبہم ہے بلکہ محو ہوجانے کے قریب ہے لیکن وہ کامل اور طاقتور ہے، یہاں تک کہ انسان خود سمجھ جاتا ہے کہ وہ اصیل اس کے اندر مؤثر ہے جس طرح آگ لوہے پر اثر کرتی اور اس کو سرخ کردیتی ہے۔ دوسری لفظوں میں یوں کہا جائے کہ انسان جان جاتا ہے کہ وہ سرچشمۂ وجود سے مربوط ہے۔ عشق کی آگ اس کے دل میں سلگ رہی ہے۔ اس وقت وہ بے اطمینانی جو عقل کی وجہ سے انسان میں پیدا ہوتی وہ اطمینان سے بدل جاتی ہے۔ اسے دنیا کی عام چیزوں سے کوئی لگاؤ نہیں رہتا۔ وہ بالکل حیات سے وابستہ ہوجاتا ہے۔ میں تمام عالم کا عاشق ہوں کیونکہ سارا عالم اسی سے ہے۔''

(سیر حکمت در اروپا جلد ۳)

فرائیڈ کے مشہور و معروف شاگرد یونگ بھی اس کے قائل ہیں کہ مذہبی احساس انسانی ضمیر کی گہرائی میں موجود ہے۔ انہوں نے اپنے استاد کے اس نظریہ کی رد کردی کہ مذہبی احساس ایک ایسا مادی احساس ہے جس کو پیچھے ڈھکیل دیا گیا ہے اور جس نے اپنا بھیس بدل لیا ہے۔ ان کے اور فرائیڈ کے درمیان اس مسئلے

کے بارے میں بہت سے خطوں کی رد و بدل ہوئی ہے جنہیں بعض کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔

اس دور کی شہرۂ آفاق علمی شخصیت آئن اسٹائن سے ان کا ایک مضمون نقل کیا گیا ہے جس کی سرخی ہے ''مذہب اور علوم'' اس میں انہوں نے اس مسئلے کی بابت بھی گفتگو کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ تمام لوگوں میں مذہبی محرک یکساں طور پر موجود نہیں ہے۔ انہوں نے بعض مذہبی کتابوں مثلاً توریت اور انجیل میں خدا کو جس طرح پیش کیا گیا ہے اس کی تنقید کرتے ہوئے لکھا:۔

''بلا استثناء تمام لوگوں میں ایک تیسرا مذہب اور عقیدہ موجود ہے۔ اگر چہ وہ اچھوتے اور خالص انداز سے کسی شخص میں نہیں پایا جاتا۔ یہ ایسا مذہبی احساس ہے جس کی توضیح ایسے شخص کے لئے کرنا بہت مشکل ہے جو بالکل اس سے محروم ہو۔ بالخصوص یہاں پھر ایسے خدا کے بارے میں گفتگو نہیں ہے جو مختلف شکلوں میں نمودار ہوتا ہے۔ اس مذہب میں انسان اپنے مقاصد اور تمناؤں کی حقارت کا اندازہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ اس عظمت وجلال کا بھی جو نیچر اور ہمارے محدود دماغ کی چاردیواری سے باہر اپنے جلوے دکھاتا ہے۔ انسان وجود کو ایک طرح کا قید خانہ خیال کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے جسم کے پنجرے سے آزاد ہوکر پرواز کرے اور تمام وجود کو ایک دفعہ ایک حقیقت کے عنوان سے پا جائے۔''

(دنیائی کہ من می شناسم)

کیا تم نے بحری سفر کیا ہے؟

قرآن مجید اور عظیم المرتبت راہنمایان اسلام کے ارشادات میں ایسے دلائل ملتے ہیں جو بتاتے ہیں ان کی توجہ خاص طور سے اس امر کی طرف مبذول تھی کہ مذہب اور وجود خدا کا عقیدہ فطری ہے۔ غالباً قرآن کریم ایسی پہلی کتاب ہے جس میں اس مسئلے کو چھیڑا گیا ہے اور یہ اس کے معجزہ ہونے کا ثبوت ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ پندرہ سو برس گزرنے کے بعد انسانی علم و دانش اس کی ہمنوائی کررہے ہیں۔ مندرجۂ ذیل چند آیتیں اور حدیثیں قارئین کرام کی بصیرت میں اضافہ کرنے کی غرض سے پیش کی جاتی ہیں۔

(۱)۔ فاتم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔

(۲)۔ افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوات والارض۔

(۳)۔ واذاخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علی انفسھم الست بربکم قالوا بلیٰ۔

(۴)۔ فبعث فیھم رسلہ و واتر الیھم انبیائہ یستادوھم میثاق فطرتہ ویذکروھم منسی نعمتہ ویحجوا علیھم بالتبلیغ ویثیر والھم دفائن العقول۔

(نہج البلاغہ پہلا خطبہ)

(۵)۔ ابتدع بقدرۃ الخلق ابتداعاً و اختر عھم علی مشیۃ اختراعاً ثم سلک بھم فی طریق ارادتہ وبعثھم فی سبیل محبتہ۔ (صحیفۂ سجادیہ۔ پہلی دعا)

(۶)۔ ایک شخص نے امام علیہ السلام کی بارگاہ میں آکر درخواست کی کہ آپ اسے خدا کے سلسلے میں راہنمائی فرمائیں، کیونکہ عقلی اور فلسفی مجادلوں نے اسے تھکا ڈالا ہے۔ وہ حیران اور سرگردان ہوگیا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک مثال دے کر جس کا سرچشمہ بھی قرآن مجید ہے اسے اس کے فطری پیغام کی طرف متوجہ کیا۔ آپ نے پوچھا آیا: ''اب تک تم نے بحری سفر کیا ہے اور کبھی کشتی پر بیٹھے ہو؟''

کیوں نہیں؟

''آیا ایسا ہوا ہے کہ کشتی ٹوٹ جائے اور تم پیرنا بھی نہ جانتے ہو؟''

''اے فرزند رسول! ایسا اتفاق ہوا ہے۔''

''آیا اس عالم میں تمہارے دماغ میں یہ خیال موجود تھا

کہ اب بھی ایک طاقت ہے جو مجھے اس مہلکہ سے نجات دے سکتی ہے؟''

''کیوں نہیں؟ اس طرح کا خیال میرے دماغ میں گھوم رہا تھا۔''

''معلوم ہونا چاہیے کہ وہی طاقت خدا کی ذات ہے۔ جب تمام مادی وسائل ساتھ چھوڑ دیں۔ ہر طرف مایوسی کا اندھیرا چھایا ہو۔ نجات کا کوئی سامان نظر نہ آرہا ہو تب بھی خدا نجات دے سکتا ہے اور فریاد رسی کرسکتا ہے۔''

ان بیانات اور توضیحات سے پتہ چلا کہ روح انسانی کی گہرائیوں میں مذہب اور خدا پرستی کا احساس موجود ہے۔ تمام افراد انسانی اپنی فطرت کی تحریک سے اس کی جانب خود بخود کھنچتے ہیں۔ خدا اور ماوراء طبیعت امور کی طرف یہ توجہ طبعی ہے لہٰذا اس کا سرچشمہ انسانی فطرت کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہوسکتی۔ یہ توجہ علمی اصول اور فلسفی دلائل کی مرہون منت نہیں ہے۔ فطری معرفت خدا استدلالی معرفت سے علیحدہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بہت سے علماء اور متکلمین نے ان دونوں کے درمیان فرق نہیں قرار دیا ہے۔

پھر ہر شخص کیوں دلچسپی نہیں لیتا؟

اس مقام پر یہ سوال ضرور ابھرتا ہے کہ اگر خدا اور دوسرے مذہبی مسائل کی بابت غور وخوض اور بحث وگفتگو کرنا فطری ہے تو تمام اشخاص اس سلسلے میں دلچسپی کیوں نہیں لیتے؟ کیوں صرف بیکار لوگ اور طرح طرح کی محرومیوں میں بسر کرنے والے افراد ان مسائل کے بارے میں بحث اور گفتگو کرنے سے دلچسپی لیتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ الٰہیات انسان کی دلچسپی کا مرکز تھے۔ لیکن آج اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ انسان اپنے مقام پر جن کاموں کے کرنے میں اپنا وقت صرف کرتا ہے ان کے درمیان مذہبی مسائل کی بابت غور وخوض کرنا دکھائی نہیں دیتا ہے۔ ڈیکارٹ کا شمار اگرچہ جدید علوم کے ان ماہرین میں ہے جو وجود خدا کے معترف تھے، لیکن اس کے باوجود وہ تصریح کرتے ہیں کہ میں بہت تھوڑا سا وقت الٰہیات میں صرف کرتا ہوں۔ اس کا بیشتر حصہ ریاضیات اور طبیعات میں خرچ ہوتا ہے۔

ڈیکارٹ کے بعد جو جو زمانہ گزرتا گیا الٰہیات سے دلچسپی میں کمی پیدا ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ بعض قوموں کو اس مسئلے سے بالکل دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس کے متعلق بحث اور گفتگو فطری ہوتی تو سائنس اور تہذیب وتمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ وہ بھی آگے بڑھتی۔ اس میں کمی نہیں پیدا ہونا چاہیے تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مذہب اور وجود خدا کی طرف توجہ کا سبب انسان کی ذاتی فطرت کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔

(ا) فطری ہونے کا تقاضہ یہ کب ہے؟

کسی چیز کے فطری ہونے کا ہرگز یہ تقاضہ نہیں ہے کہ ہر شخص کے تمام اوقات کو گھیر لے۔ وہ دن رات اٹھتے بیٹھتے اسی میں جٹا رہے۔ مذہبیات کا کیا ذکر کوئی ایسا مسئلہ دستیاب نہیں ہوسکتا جس سے دلچسپی لینا سب کے نزدیک مانی ہوئی چیز ہو اور اس نے انسان کی توجہ کو سو فیصدی اپنے میں جذب کرلیا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ آرٹ سے آدمی کو فطرتاً دلچسپی ہے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس کے علاوہ وہ کسی دوسرے کام میں وقت ہی صرف نہ کرتا ہو، ہاں ایسا ضرور نظر آتا ہے کہ جن چیزوں سے دلچسپی عمومی اور آفاقی ہے۔ عملی طور پر ہر جگہ اور ہر دور میں ایک خاص طبقہ دوسروں کے بہ نسبت زیادہ اس کے سلسلے میں اپنا وقت صرف کرتا ہے۔

مذہبیات اور الٰہیات کے بارے میں بھی ہر زمانے میں کچھ خاص افراد ملیں گے جو ان کے علاوہ دوسرے مسائل سے ان کے برابر دلچسپی نہیں لیتے ہوں گے۔ وہ اپنے اوقات کا بیشتر حصہ انہی کی بابت غور وخوض اور بحث وگفتگو میں صرف کرتے دکھائی دیں گے۔ جس طرح کچھ دوسرے اشخاص ایسے نظر آئیں گے جو اسی طرح اپنا وقت آرٹ کے مسائل میں خوشی

خوشی صرف کر رہے ہوں گے۔

(۲) یہی ایک تھوڑی ہے

وہ باتیں کہ جن سے انسان کو فطری طور پر لگاؤ ہے ایک دو نہیں بہت سی ہیں۔ ظاہر ہے کہ آدمی جب ان میں سے کسی ایک میں پورے انہماک سے مشغول ہوجائے گا تو دوسری چیز چھوٹی رہے گی، بلکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ عارضی طور سے انسان اس کو بھول جائے۔ اس کا خیال تک دماغ میں نہ ہو۔ ہم لوگ برابر دیکھتے ہیں کہ ایک طالب علم جب تک علم حاصل کرنے میں مشغول اور علمی ماحول میں انتہائی شوق کے ساتھ ریسرچ کر رہا ہے، نہ تھکتا ہے، نہ اکتا تا ہے، لیکن ادھر اس نے یونیورسٹی چھوڑی، اپنے گھر گیا۔ عزیزوں اور ہمسن وسال دوستوں سے ملاقات ہوئی ادھر اس کی ویسی علمی مصروفیت نہ رہی۔ اب زیادہ وقت لوگوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے، ان سے ہنسنے بولنے میں صرف ہونے لگا۔ اب وہ خود محسوس کرتا ہے کہ اس کا پڑھائی میں زیادہ وقت صرف کرنے کو جی نہیں چاہتا، حالانکہ فطری طور پر انسان کو تحقیق، ریسرچ اور کھوج کرنے سے لگاؤ ہے۔

مذہبیات سے دلچسپی کا بھی یہی حال ہے۔ اس کی زیادتی اور کمی کا تعلق ماحول کے سازگار اور ناسازگار ہونے سے ہے مادی امور کی طرف متوجہ ہونے کے اسباب کی موجودگی اور عدم موجودگی اس کو طاقتور اور کمزور بناتی ہے۔

(۳) یاددہانی بھی ضروری ہے

کسی چیز سے دلچسپی اور لگاؤ کے فطری ہونے کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ اس کے زندہ رکھنے کی بھی کوئی ضرورت اور اس سلسلے میں انسان کا بازو ہلانے کی کبھی حاجت نہ ہو۔ مذہب اور خدا پرستی کی طرف اس کی توجہ دلانے والی چیزیں اگر موجود ہیں تو ان سے اس کی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے اور اگر اس قسم کی چیزیں موجود نہیں ہیں تو وہ ظاہر نہیں ہو پاتی ہے۔ اس مخصوص دلچسپی اور لگاؤ کی کیا خصوصیت؟ کسی ایسی چیز کا نام لیجئے کہ جس سے انسان کو فطری طور پر لگاؤ ہو، لیکن اسے اپنے زندہ رہنے کے لئے کسی سہارے کی احتیاج نہ ہو۔ کیا اولاد سے انسان کو فطری طور پر دلچسپی نہیں ہے؟ انسان کا کیا ذکر جانور تک ہمیشہ نہ سہی، لیکن کچھ عرصہ تک اپنے بچوں سے محبت کرتے، خود بھوکے رہتے، مگر ان کا پیٹ بھرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود تاریخ عرب میں ایک دور نظر آتا ہے کہ گونا گوں اسباب نے مل کر اسلام کے آنے سے پہلے جیسے عربوں کے دل سے اولاد کی محبت کو چھین لیا تھا۔ ان کے درمیان عام طور سے لڑکیوں کو مار ڈالنے کا رواج ہو گیا تھا۔ ہم نے اپنی ضخیم کتاب ''عورت اور اسلام'' میں تفصیل سے ان اسباب کا ذکر کیا ہے۔ یہی حال غذائی اور جنسی رغبت کا ہے۔

اس دور کا انسان جس طرح مادیت پر جان دے رہا ہے، عیاشی اور ہوس رانی میں ڈوبا ہوا ہے، وہ ہر باخبر شخص کے پیش نظر ہے۔ ایسے ماحول میں اگر لوگ مذہبی مسائل کی بات نہ سوچیں، ان کے متعلق تحقیق اور ریسرچ میں اپنا وقت صرف نہ کریں تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وجود خدا کے مسئلے سے انسان کو فطری طور پر دلچسپی نہیں ہے یا یہ لگاؤ اب بالکل مردہ ہو چکا ہے۔ آج بھی ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ انسان جب موقع پاتا ہے۔ جب اسے عیاشی اور ہوسرانی سے چھٹی ملتی ہے۔ جب کوئی عبرت ناک حادثہ اسے جھنجھوڑ دیتا اور اس کا بازو پکڑ کر ہلا دیتا ہے تو وہ خدا اور مذہب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اس قسم کے مسائل سے دلچسپی لینے لگتا ہے۔

پورے طور سے مادی ماحول کے چھا جانے کے باوجود اب بھی فضاؤں میں مذہبی مقررین کی آوازیں گونج رہی ہیں۔ آج بھی کتاب فروشی کی دوکانوں پر مذہبیات سے متعلق بہتر سے بہتر معیاری لٹریچر نظر آتا ہے۔ آج بھی سیکڑوں دماغ صرف خدا اور مذہب کی بابت دن رات لگاتار سوچتے رہتے ہیں۔ آج بھی ہزاروں بلکہ لاکھوں انسان مذہبی کتابیں اور مضامین کے پڑھنے میں اپنے قیمتی وقت کا بہت بڑا حصہ صرف کرتے ہیں۔ **(جاری)**

❁❁❁